© rasailojaraid.com



# مولانا محمد علی جوہر بحیثیت صحافی اور آپ کے اصولِ صحافت

پروفیسر ڈاکٹر صلاح الدین ثانی
پرنسپل قائد ملت گورنمنٹ ڈگری کالج

*Prof. Dr. Salahuddin Sani*

## ABSTRACT:

Mulana Muhammad Ali Juahar was a great soldier of freedom. He led a crusade with the pen against the British Government, and he adopted a difficult path. He started a news paper Comrade (English) and Hamdard (Urdu). He was not suffering from any inferiority complex during the education in English Schooling and English country. He was a good English writer and spoke very good English. He was also a good Urdu writer and poet.

His Principles of Journalism

1. Journalism is not only Journalism, it is a service of Nation and the Country.
2. Journalism is not personalized.
3. Journalism is not only praise of friends.
4. Journalism is solemn.
5. To provide benefits for the Nation nor loss for the news paper.
6. Major portion of the news paper should be for news.
7. New problems should be brought up in the column.
8. An article should be in the news paper.

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com



9. A Critical review of any news should be included.
10. Don't touch religious matter.
11. Presentation of different areas news should be included.
12. Should not frighten any Journalist.

He was punctual and applied all the fundamentals of life and his news paper often stopped and he went to Jail often. He did not lose hope. Especially he was an exemplary personality in the movement of Khilafat.

The death of Muhammad Ali Juahar was of an important leader and the news papers published massages of condolence in their columns. Muhammad Ali Juahar qualities are symbol of following for today's Journalists. They should follow these and give their services for the country.

مولانا محمد علی جوہرؒ نے عالم اسلام اور خصوصاً برصغیر کے مسلمانوں کی تاریخ بنانے میں اہم کردار ادا کیا۔ اس تاریخ سازی میں دنیا کی بڑی سامراجی طاقت سے ٹکر لی۔ آپ کی زندگی مثالی مومن کی زندگی تھی۔ برصغیر کے چوٹی کے سیاستداں وحکمراں آپ کی صلاحیتوں کے معترف تھے۔ آپ دین کے قیام واستحکام میں کسی مصلحت اندیشی کو کام میں نہیں لاتے تھے، یہی وجہ ہے کہ دشمن آپ سے خوفزدہ تھے، اور دوست بھی ہم نوا نہ تھے، کیونکہ مولانا کا معیار سیاست خلوص کا اعلیٰ ترین مرتبہ تھا، جس پر پورا اترنا ہر ایک کے لئے مشکل کام تھا۔

مولانا جوہر اپنی مثال آپ یگانہ اور روزگار شخصیت کے مالک تھے۔ علم وعمل میں مستعد اور اعلیٰ کمالات کے علاوہ حسن اخلاق اور عادات میں قابل تقلید اور بے نظیر شخصیت ہونے کے ساتھ ساتھ ہمہ صفت انسان تھے۔ آپ نے دین وملت اسلامیہ کے لئے اپنی زندگی جس طرح وقف کی اس کا متبال تلاش کرنا مشکل ہے اپنی زندگی کا ہر لمحہ وطن وملت کے نام کر دیا۔ طالب علمی

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com



سے آخری سانس تک برصغیر کے مسلمانوں کے لئے انتھک محنت کی۔ مسلمانوں کی آزادی اور فلاح و بہبود کے لئے تن من دھن کی بازی لگادی۔ عالم اسلام کی سربلندی وعظمت کی بحالی کے لئے دنیا بھر کے مسلمانوں کو احیائے ملت کا درس دیا۔ صحافت کے شعبے میں اپنے آپ کو منوایا، مسلمان تو تھے ہی ہندو اور انگریز بھی آپ کے قصیدہ خواں تھے۔ سیاسی زندگی میں قد آور کانگریسی لیڈروں کو مات دی۔ مولانا محمد علی جوہرؒ کی زندگی وفا کیش جانباز اور ایک مخلص مسلمان کی زندگی تھی۔ وہ ایک مرد مومن، متقی، مجاہد اسلام اور معمارِ ملت کے علاوہ شہید کے اندازِ زندگی کو حاصل کرنے والے خوش قسمت لیڈر تھے۔ مسلمانوں کی آزادی کی جنگ لڑتے ہوئے اغیار کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر بات کی۔ آپ کے اخلاص کے باعث مساعی کو اللہ تعالیٰ نے پسند فرمایا اور آپ کی آخری آرام گاہ مقدس خاک یعنی بیت المقدس بنی۔ (۱)

> مسٹر محمد علی جب مولانا محمد علیؒ بنے تو سراپا تبلیغ بن گئے اور جامع مسجد دہلی میں عالمانہ وعظ کہنے لگے، وہ کانگریس، مسلم لیگ اور خلافت کانفرنس جیسی جماعتوں کے صدر رہے، لیکن انہیں فخر تھا تو خادم کعبہ ہونے پر انہوں نے اپنی ساری زندگی ہندوستان کی آزادی، اسلامیان ہند کے حقوق کے تحفظ اور عالم اسلام کی بقاء اور سالمیت کی جنگ لڑتے ہوئے بسر کی وہ خود اعتمادی اور جرأت مندانہ انداز کے پیکر تھے۔ ان کی تقریر وتحریر نے ہندی مسلمانوں کو ایک نئی زندگی، نیا ولولہ اور سرفروشی کا جذبہ عطا کیا۔ ان کے اندر بے پناہ قومی وملی شعور اور استبدادی قوتوں سے پنجہ آزمائی کی، جرأت پیدا کی اور تحریک خلافت کے سارے تجربات آگے چل کر تحریک پاکستان میں کام آئے۔ (۲)

مولانا محمد علی جوہرؒ ان قائدین میں سے تھے جو کسی قوم میں شاذ و نادر ہی پیدا ہوتے ہیں، اور تاریخ جن کو غیر معمولی افراد میں شمار کرتی ہے۔ مولانا نے جو

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com



کردار مسلمانوں کی تاریخ کا رخ موڑنے اور آزادی وطن کی جدوجہد میں ادا کیا وہ کسی اعتبار سے سرسری مطالعے اور محض خوش نما خراج تحسین پیش کر کے، اعتراف خدمت کے فرض سے سبکدوش ہو جانے کا نام نہیں ہے۔

محمد علی ان عظیم شخصیات میں سے تھے جن کے تاریخی کردار کو متعین و مشخص کرنے کے لئے ان کے پورے عہد کے مطالعے کی ضرورت ہے۔(۳)

مصلحت اندیشی آپ کے مسلک میں نہ تھی، عوام اور خواص کے سامنے یکساں جرأت مندانہ خطاب فرماتے تھے۔ ۳۰/دسمبر ۱۹۱۹ء کو رہائی کے بعد آپ نے مسلم لیگ کے اجلاس میں تقریر کرتے ہوئے فرمایا:

یاد رکھئے! کسی کی حکومت بھی دائمی نہیں ہے۔ دائمی حکومت ہے تو خدائے بزرگ و برتر کی، کوئی راستہ بھی اتنا سیدھا نہیں جتنا دین کا۔ اگر تم چاہتے ہو کہ کوئی تم پر حکومت نہ کر سکے تو پہلے خدا کی وفادار رعایا بنو۔ تمہارا بادشاہ بھی تمہاری طرح خدا کی رعایا کا ایک فرد ہے۔ تم اس سے کہہ سکتے ہو کہ ہم تم ایک خدا کے بندے ہیں۔ مراتب بے شک جدا جدا ہیں، مگر عبدیت الٰہی کا جہاں تک تعلق ہے ہم میں اور تم میں کوئی فرق نہیں۔ خدا کے برگزیدہ نبی ﷺ نے ہمیں یہ حکم دیا کہ:

اخرجوا الیھود والنصاریٰ من جزیرۃ العرب

اس کی تعلیم ہم سب پر فرض ہے۔ وہ بیت المقدس جسے مسلمانوں نے اپنا خون بہا کر فتح کیا تھا اور جس پر اب تک خلیفۃ المسلمین کا اقتدار تھا، ہم اس پر اغیار کا قبضہ ہرگز نہیں رہنے دیں گے۔(۴)

آپ جامعہ ملیہ کے قیام ۲۹/اکتوبر ۱۹۲۰ء کو تقریر کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

مسلمانوں کی تعلیم مسلمانوں کے ہاتھ میں اور اغیار کے اثر سے مطلقاً

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com



آزاد ہونا چاہیے۔ کیا باعتبار عقائد و خیالات اور کیا باعتبار اخلاق و اعمال ہم غیروں کے اثرات سے پاک ہیں، اور ہماری عظیم الشان قومیت کا اب یہ فیصلہ نہیں ہونا چاہیے کہ ہم اپنے کالجوں سے بہت سستے غلام پیدا کرتے رہیں، بلکہ ہمارے کالج نمونہ ہونے چاہئیں۔ بغداد اور قرطبہ کی یونیورسٹیوں کے اور ان عظیم الشان مدارس کے جنہوں نے یورپ کو اپنا شاگرد بنایا اس سے پیشتر کہ ہم اس کو اپنا استاذ بناتے۔(۵)

یہ نظر بندی تو نکلی رو سحر     دیدائے ہوش اب جا کر کھلے
اب کہیں ٹوٹا ہے باطل کا طلسم     حق کے عقدے اب کہیں مجھ پر کھلے
اب ہوا ہے ماسوا کا پردہ فاش     معرفت کے اب کہیں دفتر کھلے
فیض سے تیرے ہی اے قید فرنگ     بال و پر نکلے، قفس کے در کھلے

کیا یہ جائز نہیں کہ میں بھی اپنے ہم نام محمد علیہ الصلوٰۃ والسلام کے طفیل میں آج جب کہ مجھے پیدا ہوئے نصف صدی گزر چکی اپنے دل کی ڈھارس بندھاؤں کہ:

ولآخرہ خیرلک من الاولی(۶)

اور اس غزل کا مقطع بھی سچ ہو جائے کہ:

جیتے جی تو کچھ نہ دکھلایا مگر     مر کے جوہر آپ کے جوہر کھلے

**مسٹر سے مولوی بننے کا سفر:** عدن سے قاہرہ جاتے ہوئے ایک سانحہ کی طرف اشارہ کرتے ہیں کہ کس طرح اسلام کی طرف راغب ہوئے۔

میں اس مخملی مصلے پر نماز پڑھا کرتا ہوں جو میرے ماموں صاحب اپنے لیئے ۱۹۱۰ء میں حج سے لائے تھے اور جسے میں نے ان سے زبردستی چھین لیا تھا۔ انہوں نے فرمایا تھا کہ میاں یہ چیز تمہارے کس کام کی، یوں ہی پڑی رہے گی، جس سے مجھے بہت غیرت آئی تھی، لیکن الحمدللہ کہ اسلامی

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com



ممالک کے مصائب نے مجھے نماز پڑھنا سکھا دیا، اور درحقیقت مسلمان بنا دیا۔ اسی مصلے پر نماز شروع ہوئی اور گو سجدہ کا نشان میری جبین پر اب تک نہیں پڑا، لیکن میری ایڑیوں نے اس مصلے میں چھید کر دیئے ہیں۔

آرزوں سے پھرا کرتی ہیں تقدیریں کہیں وصل کی بنتی ہیں ان باتوں سے تدبیریں کہیں

مصر کے بہت سے زعماء جن میں سیاستدان، شعراء، جریدہ نگار، مورخ اور چند بڑے عہدہ دار شامل تھے...... کھانے کے بعد جب قہوہ اور آئس کریم کا دور چلا تو چند عمائدین مصری سے مختصر سی گفتگو ہوئی اور بالآخر ایک بزرگ نے اصرار فرمایا کہ میں عالم اسلام کے متعلق اپنے خیالات ظاہر کروں اور بتاؤں کہ مسلمانوں کی اصلاح کی میرے نزدیک کیا صورت ہو سکتی ہے اس کے جواب میں میں نے عرض کیا کہ جس طرح آج ہمارے بعض ترک بھائی سمجھتے ہیں اسی طرح مجھے خوف تھا کہ میں بھی سمجھنے لگوں کہ جو شکست ہم کو یورپ نے دی اس کا سبب یہی ہے کہ ہم اسلام کے غلط راستہ پر جا رہے ہیں، اور یورپ کی تقلید نہیں کرتے، مگر الحمدللہ میں اس غلطی میں مبتلا ہونے سے بال بال بچ گیا۔ افسوس ہے کہ میں اسلام سے تو زیادہ واقف نہ تھا مگر یورپ سے خاصی طرح واقف ہو گیا تھا اور اس کے تہذیب و تمدن کے فریب میں مبتلا نہ ہو سکا۔ اسلام سے میں جس قدر واقف ہوا اس نے مجھے یقین دلا دیا کہ ہماری تباہی کا سبب یہ نہیں ہے کہ ہم اسلام کے سچے پیرو ہیں اور یورپ کا اتباع نہیں کرتے بلکہ اس کا اصلی سبب یہی ہے کہ ہم حقیقی اسلام سے دور جا پڑے ہیں اور اس پر عامل نہیں ہیں اور یورپ پھر بھی بعض چیزوں میں حقیقی اسلام کا اتباع کر رہا ہے، جوں جوں میں اسلام کی حقیقت سے اور زیادہ واقف ہوتا گیا میرا یہ

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com



گمان درجہ یقین تک پہنچتا گیا اور اب تو میں اپنی زندگی کو اس مشن کے لئے وقف کر چکا ہوں کہ پہلے خود مسلمان بنوں پھر اور مسلمانوں کو مسلمان بناؤں اور بالآخر چار دانگ عالم میں نورِ اسلام پھیلاؤں۔ ہم مسلمان وہی غلطی کر رہے ہیں، جس کے باعث کفار تباہ حال ہوئے یعنی ہم نے انسانی زندگی کے دو ٹکڑے کر ڈالے اور جسم کو روح سے اور روح کو جسم سے الگ کر کے اپنے اوپر موت کی سی کیفیت طاری کر دی۔ ہم نے دین اور دنیا میں تفریق کر دی، حالانکہ دین دنیا کے صحیح طور پر برتنے ہی کا نام ہے اور اس کے سوا کچھ نہیں۔(۷)

**مولانا جوہرؔ کا نظریہ صحافت:** مولانا جوہر لکھتے ہیں:

صحافت سے میری غرض صحافت نہیں بلکہ ملک وملت کی خدمت ہے۔(۸)

اور اس کی تشریح اس طرح سے کرتے ہیں:

مذہب و ملک کی خدمت کا ایک زبردست اور موثر ذریعہ اخبار نویسی ہے اور جب قلم پر پوری قدرت اور مناسبت بھی ہے تو اس کے ذریعے سے خدمت کیوں نہ لی جائے۔(۹)

اپنے مقصد کے بارے میں عبدالماجد دریابادی کو اپنے ایک خط ۲۴ راپریل ۱۹۲۴ء میں تحریر کرتے ہیں:

میں مضمون لکھ کر ہی اگر روٹی کماتا یعنی اس کی تجارت کرتا تو انگریزی اخبار کم نہیں ہیں، مگر مجھے ایڈیٹری کرنا نہیں تبلیغ مدنظر تھی۔(۱۰)

اور اس کی وضاحت اس طرح پیش کرتے ہیں:

صحافی سے یہ توقع کی جاتی ہے کہ وہ واقعات کو پوری صحت سے درج کرے، اسے خیال رکھنا چاہئے کہ واقعاتی صحت کا معیار اتنا بلند ہو کہ

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com



مؤرخ اس کی تحریروں کی بنیاد پر تاریخ کا ڈھانچہ کھڑا کر سکے۔ صحافی رائے عامہ کا ترجمان ہی نہیں، راہ نما بھی ہوتا۔(۱۱)

کامریڈ کے پہلے ہی شمارہ میں بانگ دہل تحریر کرتے ہیں:

> ہم کسی کے طرف دار نہیں اور سب کے ساتھ ہیں۔ ہمیں مختلف فرقوں اور مذاہب کے روز افزوں اختلافات کے خطوط کا احساس ہے اور ہماری دلی تمنا ہے کہ ہندوستان کے سیاسی نظام کے مختلف اجزاء میں بہتر تعلقات پیدا ہو۔(۱۲)

مولانا عبدالماجد دریابادی توضیح کرتے ہوئے تحریر کرتے ہیں:

> مولانا نے قوم کو مایوسی اور بیکسی کے دلدل میں پھنسا ہوا پایا۔ پہلے ۱۹۱۱ء میں انگریزی زبان میں کلکتہ سے ہفت روزہ ''کامریڈ'' خاص طور سے انگریزی تعلیم یافتہ طبقہ کو جھنجھوڑنے کے لئے نکالنا شروع کیا۔ درحقیقت مسلمانوں کی زبوں حالی ہی تھی جس کے سبب مولانا کو مجبوراً صحافت کی طرف مائل ہونا پڑا۔(۱۳)

رئیس احمد جعفری اس ضمن میں اپنے تاثرات کی ترجمانی کرتے ہوئے تحریر کرتے ہیں:

> حاکموں، محکموں، انگریزوں، ہندوستانیوں، سارے انگریزی داں طبقے میں اس کی دھوم مچ گئی کیونکہ وہ قوم کی خستہ حالی کی عکاسی کر رہا تھا۔ اس کا اصلی مقصد یہ تھا کہ ہندوستان کے مسلمانوں میں، خاص طور سے تعلیم یافتہ طبقہ میں خودداری کے احساسات بیداری پیدا ہوں اور اس سے انگریزوں کی گرفت سے نکلنے کا راستہ اختیار کریں۔ اس کے اجراء کے ساتھ ہی مقبولیت کا ڈنکا بجانا شروع ہوگیا۔ اس پرچے کی شہرت کا یہ عالم تھا کہ لارڈ ہارڈنگ وائسرائے ہفتہ بھر پرچے کو نہ چھوڑتے تھے۔ لیڈی ہارڈنگ

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com



اس کی منتظر رہتیں۔ مسٹر میک ڈانلڈ، وزیر اعظم برطانیہ بالالتزام کامریڈ پڑھتے۔ جرمنی کا ولی عہد اس کا خریدار تھا۔ سر فلیٹ وڈلسن ہندوستان سے جاتے ہوئے اپنے دوست اور لندن والوں کے لئے پرچے تحفتہً لے گئے۔(۱۴)

''کامریڈ'' نے دوسرے اہم عصر صحافیوں کو چونکا دیا۔ ''بمبئی کرانیکل'' کے ایڈیٹر ایم۔ این۔ رائے تحریر کرتے ہیں:

جس شخص نے کامریڈ کے اوراق کا مطالعہ نہیں کیا وہ محمد علی کی شخصیت کے اسرار کو سمجھا ہی نہیں۔ محمد علی نے، جو ملک کے سب سے زیادہ روشن دماغ اخبار نویس ہیں، اپنے قلم کے ذریعہ اپنا دل اخبار میں ٹپکا دیا ہے اور اس کے ساتھ ساتھ انہوں نے ظرافت، مذاق اور تعرض کا ایک ایسا بے پایاں دریا بہا دیا ہے جو مدتوں تک آئندہ اخبار نویس کے لئے وجہ رشک رہے گا۔ آدمیوں کی سیاست، ان کے طریق کار اور تحریکوں کا نقشہ کھینچنے میں محمد علی لاثانی ہیں اور لاثانی رہیں گے۔(۱۵)

''ٹائمز آف انڈیا'' کا ایڈیٹر رقم طراز ہے:

وہ انگیزی زبان پر حیرت انگیز قدرت رکھتے تھے۔ کوئی ہندوستانی اس میں ان کا مقابلہ نہیں کر سکتا۔(۱۶)

جب کلکتے سے دہلی آ گئے تو دہلی سے مسلمانوں کو باخبر کرنے کے لئے اردو میں ''ہمدرد'' نکالنا شروع کیا۔ اس بارے میں جب ''کامریڈ'' کلکتہ سے منتقل ہو گیا تو اپنی تمنا کا ''ہمدرد'' میں اس طرح اظہار کرتے ہیں:

میں نے دیکھا کہ اپنے دائرہ عمل کو وسیع کرنے کا موقع ہے اور اس کی صورت یہ ہے کہ میں اردو زبان میں ایک روزنامہ جاری کروں'' مولانا

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com



نے (اس) ذیل کے نوٹ کے ساتھ ''ہمدرد'' کا پہلا شمارہ ۲۲ر فروری ۱۹۱۳ء کو شائع کیا، ''مولانا حالی مدظلہ العالیٰ نے باوجود ضعف پیرانہ سالی ہماری التجاء التجا نہیں بلکہ ہٹ کو مسترد نہیں فرمایا اور ہم کو گلستان نظم سے خوشہ چینی کر کے ایک ڈالی تیار کرنے کی اجازت دی ہے جو نہ صرف ناظرین کی قدردانی کو بڑھانے بلکہ رب العالمین کی محیط رحمت کو جوش میں لانے کے لئے پیش کی جاتی ہے۔

عزت کی تمنا، نہ خطابوں کی طلب ایک قوم کی خدمت کی ہے خواہش یارب
ہمدرد کو اسم با مسمّٰی کی جیؤ اس نام کی لاج تیرے ہی ہاتھ ہے اب (۱۷)

مولانا ایک بیدار مغز ادیب، شاعر اور سیاست داں تھے۔ یہ خوبیاں کامریڈ اور ہمدرد اخباروں کی اشاعت سے اور روز افزوں ہوئیں، اور انہی بنیادوں پر اخباروں نے عوام میں مقبولیت پائی۔ ان میں طنز و مزاح کی چاشنی سے تازگی کے عناصر ہویدا ہوئے اور اخبار نویسی کی کشش و دلچسپی کے مواقع رونما ہوئے۔

**مولانا کے اصول صحافت:** مولانا نے اپنی بڑودہ کی ملازمت کے دوران ''ٹائمز آف انڈیا'' میں ''موجودہ بے چینی پر چند خیالات'' کے زیر عنوان مضامین رقم کئے تھے۔ اسی زمانہ میں گجرات کے ایک صاحب نظام الدین اخبار نکالنا چاہتے تھے۔ نظام الدین صاحب نے مولانا سے اس سلسلے میں مشورہ کیا۔ مولانا نے ان امور کو جو کسی اخبار کی کامیابی کے ضامن ہو سکتے ہیں ان کو یوں بیان کیا یاد رہے۔ یہ زریں اصول صحافت کو ایک محترم مقام تک پہنچا سکتے ہیں۔

۱۔ ذاتیات سے مبرا ہو۔ دشمنوں کے خلاف نہ لکھا جائے۔ دوستوں کی تعریف نہ کی جائے۔

۲۔ کسی شخص یا رائے کے خلاف لکھنا ہو تو مخالفت اس شخص یا رائے تک ہو۔ ذات کو اس میں شامل نہ کیا جائے۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com



۳۔ جو کچھ لکھا جائے متانت اور سنجیدگی سے لکھا جائے۔

۴۔ وہ خبریں چھاپی جائیں جو انگریزی اخبار چھاپتے ہیں۔لوکل خبریں کسی ثقہ راوی کی ہونا ضروری ہیں۔(یہ تجویز غالباً اس زمانہ کے حالات کی مناسبت سے دی گئی ہے)

۵۔ اخبار کا مقصد قوم کو نفع پہنچانا ہو۔نقصان نہ پہنچایا جائے۔دوسروں کے رنج پر خوش نہیں ہونا چاہیے۔

۶۔ اخبار میں زیادہ تر خبریں ہونی چاہئیں۔

۷۔ کسی عصری زیر بحث موضوع پر اداریہ لکھا جائے۔

۸۔ حال کے واقعات اور خبروں پر ایڈیٹوریل نوٹ میں رائے زنی ہونا چاہیے۔

۹۔ ایک مضمون کا ہونا ضروری ہے۔

۱۰۔ مختلف مقامات پر کالم نویسوں کا بندوبست ہونا چاہیے۔

۱۱۔ صرف ضروری خطوط شائع کیے جائیں۔

۱۲۔ مذہبی بحث نہ ہو۔

۱۳۔ ایڈیٹر کو تمام امور سے واقف ہونا ضروری ہے۔(۱۸)

**مولانا جوہرؒ کی صحافت کے اغراض و مقاصد:** مولانا محمد علی ''جنگ بلقان کی تازہ خبریں اور ان پر تنقید'' سے دنیائے صحافت کی طرف راغب ہوئے۔ ان کا مقصد ہندوستان کے مسلمانوں کے شعور میں حریت کے عناصر کو بیدار کرنا اور ساتھ ہی ساتھ مسلمانوں کو ناگزیر ناگہانیوں سے باخبر رکھنا بھی تھا، اور ان کو اس کا بھی علم تھا کہ ان کے خوابوں کی تعبیریں بھی اس میں ہی پنپ رہی ہیں۔

Ghalib has depicted for us in his well known verse.

وفا کیسی، کہاں کا عشق، جب سر پھوڑنا ٹھہرا تو پھر اے سنگ دل تیرا ہی سنگ آستاں کیوں ہو

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com



مولانا جوہرؔ لکھتے ہیں: میں نے ایک ساتھ دو اخباروں کی ذمہ داری اپنے سر لی ایک 'ہمدرد' روزنامہ اردو کے اخبار کی، دوسرے 'کامریڈ' انگریزی کے ہفتہ وار اخبار کی اسی طرح پہلے بھی ہمدرد اور کامریڈ جاری تھے، اور اپنے تمام معاصرین میں صرف میں نے ہی یہ دوہرا بوجھ اٹھانے کی کوشش کی تھی۔ پچھلا تجربہ گو کہ تلخ تھا مگر مایوس کن نہ تھا اور خیال تھا کہ جس طرح پہلے کچھ عرصے تک میں یہ دوہرا بوجھ اٹھا سکا تھا اسی طرح اس بار بھی اٹھا سکوں گا میں نے ۱۹۱۱ء سے قبل کسی اخبار کی ایڈیٹری نہ کی تھی، نہ کسی اخبار کے دفتر کا مجھے کوئی تجربہ تھا، لیکن یہ دیکھ کر کہ مسلمانان ہندوستان کے پاس ایک اخبار بھی ایسا نہیں جو صحیح طور پر ان کے خیالات وخواہشات کی ترجمانی یا ان کی اصلاح کر سکے میں نے

بسم اللہ مجریها و مرسها (۱۹)

کہہ کر صحافت کے بحر ذخار میں اپنی کشتی ڈالی تھی۔ اس وقت سب کا یہی خیال تھا کہ جس چیز کی ضرورت ہے وہ حکومت تک اپنے خیالات وخواہشات کو پہنچانا ہے اور اگر ایک بار ایوان حکومت تک ہماری تمنائیں اور آرزوئیں پہنچ گئیں تو ہم اس چوکھٹ سے اپنے دامن امید کو بھرے بغیر نہ پلٹیں گے۔ لیکن یہ کس کو خبر تھی کہ اس چوکھٹ پر جو بھکاری جاتا ہے اسے جھولی جھاڑ کر ہی آنا نصیب ہوتا ہے اور گو اذعان عام یہ ہی ہے کہ جو آئے دست سوال پھیلائے! لیکن جو سائل آتا ہے اسے لینے کے دینے پڑ جاتے ہیں اور کچھ لے کر نہیں بلکہ اپنی کشکول میں سے کچھ دے کر ہی جانا پڑتا ہے جب قومی سیاست دریوزہ گری کے ہم معنی ہو تو قومی صحافت اس گداگری سے کیوں کر بچ سکتی تھی اس لئے سائیں کا روپ بھرا، چمٹا اور چنبل ہاتھ میں لیا، گلے میں جھولی ڈالی، دلآویز صدائیں سیکھیں اور ایوان حکومت کی چوکھٹ پر صدا لگائی کہ:

بنا کر فقیروں کا ہم بھیس غالب تماشائے اہل کرم دیکھتے ہیں

اور سچ تو یہ ہے کہ اہل کرم نے وہ تماشا دکھایا جو آنکھوں نے آج تک نہ دیکھا تھا۔ سخی داتا کلکتہ سے دلی آئے تو [illegible] تھے لیکن [illegible] کی گداگری میں صرف

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com



ایک بھیک کا ٹکڑا ملا۔ مگر وہ بادشاہوں کے تاج ونگیں سے زیادہ انمول تجربہ تھا کہ غیروں کے آگے ہاتھ پھیلانا سب سے بڑھ کر بے غیرتی ہے، جو ملے گا اپنوں سے ملے گا اور جو لینا ہے خود ہاتھ بڑھا کر لو، مانگنے سے اس دنیا میں کچھ نہیں ملا کرتا۔ چونکہ ''کامریڈ'' کے اجراء سے بڑی غرض اپنی التجاؤں کو حکومت کے گوش گزار کرنا تھا اس لئے ''کامریڈ'' نے سارا ساز وسامان مہیا کیا جس کے ذریعہ سے وہاں تک رسائی اور جس کی بدولت وہاں شنوائی ہو سکے۔ چنانچہ ایک طرف رزم کی داستان تھی تو دوسری طرف بزم کا افسانہ تھا، اگر نظم کا قوام تھا تو مذاق اور گپ بازی کی چاشنی بھی تھی بقول غالب:

سیکھے ہیں مہ رخوں کے لئے ہم مصوری　　تقریب کچھ تو بہر ملاقات چاہیے

نتیجہ یہ رہا کہ رسائی بھی ہوئی اور ایک حد تک شنوائی بھی لیکن ضرورت حاجت روائی کی تھی، اور اس بارے میں جواب صاف تھا:

کون ہے جو نہیں ہے حاجت مند　　کس کی حاجت روا کرے کوئی

طرفہ ماجرا یہ ہے کہ سائیں کی جو صدائیں ایوان حکومت کے بے فیض قاضی الحجات کو پسند تھیں وہیں صدائیں خود ان کو مرغوب تھیں جن کے لئے دست سوال پھیلایا جا رہا تھا۔

ہماری غلامی اس درجہ بڑھ گئی تھی کہ اپنی زبان کا اخبار پڑھنا بھی ناگوار تھا۔ یہ وجہ تھی کہ ''کامریڈ'' نے انگلستان کے مختلف اخباروں کا چربہ اتارا تھا اور حاکم ومحکوم دونوں کے مشترکہ مذاق کے مطابق ایک معجون مرکب تیار کر کے دونوں کے سامنے پیش کیا تھا اس کے عوض میں حکومت سے جو کچھ ملا تھا اس کا ذکر تو اوپر آ چکا، لیکن اپنی قوم سے جو کچھ ملا وہ ہزار ہا روپے کے قرض کا بارگراں تھا۔ برسوں پرچہ لیا گیا اور تعریفوں کے پل باندھے گئے مگر جب وی۔ پی وصول کرنے کا وقت آیا تو آٹھ دس دن ڈاک خانے میں امانت رکھا گیا اور آخر کار بغیر چھڑائے ہوئے واپس کر دیا گیا۔ جہاں معاملہ ان تجارتی اصولوں پر کیا جائے وہاں اخبار والے کا دیوالہ نہ نکلے تو کیا ہو۔ ہم ہی جانتے ہیں کہ ہم نے کس طرح چار برس ''کامریڈ'' کو چلایا تھا لیکن اتنا ضرور ہوا تھا کہ ان چار

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com



برسوں میں قوم کے منتشر افراد ایک مرکز پر آ گئے تھے اور بے جا تعلّی نہ ہوگی اگر ہم کہیں کہ یہ ''کامریڈ'' ہی کا طفیل تھا کہ ۱۹۱۱ء سے لے کر ۱۹۲۱ء تک مسلمانانِ ہندوستان بتدریج ایک یہ قومی پالیسی پر متفق ہوتے گئے تھے اور وہ پالیسی خود بتدریج ترقی کرتے کرتے انہیں خلافت کی بقاء واحیا ہو یا ہندوستان کی آزادی وسوراج کے مطالبے تک لے آئی اور گو اب تک سوراج نہیں ملا لیکن اس کی ایک جھلک ۱۹۲۱ء کے آخر تک سب نے دیکھ لی اور گو جزیرۃ العرب آج بھی کفار کے قبضے میں ہے لیکن یونان کی شکست کے بعد ترکوں کو دوبارہ شکست دینے کے لئے ہندوستان سے فوج نہ جانے پائی اور ایشیائے کوچک وچناق کے فتح ہونے پر لوزان کا صلح نامہ سونے پر سہاگہ ہوا۔ میں نے ابھی کہا تھا کہ یہ بے جا تعلّی نہ ہوگی اگر ہم یہ کہیں کہ قوم کے منتشر افراد کا ایک مرکز پر آنا بڑی حد تک ''کامریڈ'' ہی کا طفیل تھا۔ اس کے معنی یہ نہیں کہ اردو پریس کا حصہ نہ تھا بلکہ اس کا حصہ تھا لیکن عوام کے رہنما خواص تھے اور ان کے یہاں جو پوچھ انگیزی اخباروں کی تھی وہ اردو اخباروں کی نہ تھی۔ تاہم کلکتہ ہی کے قیام میں مجھے یہ محسوس ہوگیا تھا کہ اپنی قوم کے خواص کے لئے اور بالخصوص ان کے لئے جو اردو زبان سمجھنے سے ایک بڑی حد تک قاصر ہیں اور ان کے علاوہ حکومت کے لئے ہندوستان کی دوسری اقوام کے عوام کے لئے اور ہندوستان سے باہر اسلامی ممالک کے لئے ایک انگریزی اخبار کی ضرورت ہے فقط اردو پریس سے کام نہیں چل سکتا۔ (۲۰)

**مولانا محمد علی جوہرؔ کی شخصیت دوسروں کی نظر میں:** رئیس احمد جعفری نے اپنے تاثرات کے پرتو میں مولاناؒ کی شخصیت کی عکاسی یوں کی ہے۔ ''محمد علی دین کا فدائی، محمد ﷺ کا پرستار، علی کا جاں نثار اور ملت اسلامیہ کا خدمت گزار تھا۔ دین وملت کے راستے پر جسے کھڑا پاتا تھا اس کا اعتراف کرتا تھا جس میں کوتاہی دیکھتا اسے بے نقاب کرتا تھا۔ جس طرح علماء اسماء الرجال میں سے ہر عالم کی رائے ہر راوی کے بارے میں قابل قبول اور قابل احتجاج واستناد نہیں ہوتی، اسی طرح اسلامی ہند کی ہر شخصیت کے بارے میں یہ ضروری نہیں ہے کہ محمد علی کی رائے حرف آخر کی حیثیت رکھتی ہو لیکن جس طرح علمائے اسماء الرجال کی حسن نیت پر کوئی شبہ نہیں کیا جا سکتا، بالکل

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com



اسی طرح محمد علی کی جرح و تعدیل تمام تر دیانت اور سچائی پر (ان کے نقطہ نظر سے) مبنی تھی۔ آپ ان کی رائے، ان کا فیصلہ ان کا معیار، ان کی جرح ان کی تعدیل قبول کرنے سے انکار کر دیں آپ کو اس کا پورا حق ہے لیکن آپ کو ہرگز یہ حق نہیں ہے کہ آپ محمد علی کی نیت پر شبہ کریں! اس نے اپنی زندگی میں اس کمزوری کا مظاہرہ کبھی ہونے ہی نہیں دیا۔

محمد علی گاندھی جی کو 'باپو' کہا کرتا تھا۔ شوکت علی کو اسی طرح چاہتا تھا جس طرح مجنوں لیلیٰ کو، عبدالماجد دریابادی سے اس کی دوستی شیفتگی کی حد تک پہنچی ہوئی تھی۔ مولانا سید سلیمان ندوی کی جلالت شان کا وہ پورا پورا معترف تھا۔

مولانا حسین احمد کی نظر میں فرشتہ تھے۔ مفتی کفایت اللہ اور مولانا احمد سعید کی خوبیوں اور صلاحیتوں کا اس نے کبھی انکار نہیں کیا۔ علامہ اقبال کا وہ شیدائی تھا، اقبال کا شعر اس کے سازیات پر مضراب کا کام کرتا تھا۔ وہ اسے اپنا اُستاد، مرشد، رہنما سب کچھ مانتا تھا۔(۲۱)

مولانا عبدالماجد دریابادی مولانا کی شخصیت کے ان ہی پہلوں پر روشنی ڈالتے ہوئے مثال کے ساتھ ان کی شخصیت کے پائیدار عناصر کو یوں اجاگر کرتے ہیں:

> راجہ صاحب محمودہ آباد کا ڈرائنگ روم تھا، اور محمد علی، سیاسیات حجاز و عالم اسلامی پر جو گفتگو انہوں نے شروع کی دلچسپ بھی بصیرت افروز بھی تھی، وہ جلد کیوں ختم ہونے پر آتی۔ اب یاد بھی کسے۔ صرف ایک دو فقرہ نہ بھولنے والا لوح حافظہ پر نقش رہ گیا۔ محمد علی کا ذکر سلطان اور نجد کی ذہنی تنگ ذہنیت کا کر رہے تھے۔ بولے کہ "میں نے ابن مسعود سے کہا کہ حرم مکہ پر حق ہر کلمہ گو اور اہل قبلہ کا یکساں ہے۔ یہ حق تنہا محض اہل سنت کا بھی نہیں۔ یہاں تو اہل ضلالت کو بھی اپنے اپنے طریقہ پر عبادت کا حق حاصل ہے۔ شیعوں کو میں ضلالت پر سمجھتا ہوں، لیکن انہیں بھی یہاں آ کر اپنے طریقہ پر حج اور زیارت کے رسوم ادا کرنے کی آزادی حاصل ہونا

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com



چاہیے۔

یہ منظر ایک دفعہ کا نہیں، بار ہا دیکھا ہوا ہے۔ ایک حدیث نبوی ﷺ میں حضرت عمرؓ کے فضائل میں ایک جگہ آیا ہے کہ حق گوئی کی عادت نے عمرؓ کا کوئی دوست باقی نہیں رکھا۔ اس کی عملی تصدیق، ایک چھوٹے پیمانہ پر محمد علی کی زندگی سے ہو جاتی ہے۔(۲۲)

مولانا کے طنزیہ جملوں نے جہاں ادبی مزاح کا ماحول پیدا کیا وہیں دوستوں کے درمیان خراش پیدا ہوگئی:

جواہر لال نے اپنی آپ بیتی میں لکھا ہے کہ محمد علی کی فکاہی اور طنز نے بہت سے دوستوں کو دشمن بنالیا، چنانچہ یہ حقیقت ہے کہ انہیں اس دنیا سے رخصت ہوئے بارہ چودہ برس کی مدت گزر چکی ہے۔ لیکن بعض دل اب بھی ایسے ہیں جو ان سے صاف نہیں ہیں۔(۲۳)

جاج برناڈ شاہ اپنے تعزیتی خط میں ذاتی تاثرات کا اظہار کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

Dear Sir,

My acquaintance with Muhammad Ali was limited to a conversation at my house at which we discussed the possibility of Reformation in Islam somewhat like the Christian reformation let by Martin Luther. We agreed, I think, that a Back to Mahomet movement was needed to rescue Islam from the ruts which it has been digging for itself for many centuries past. I found M. Ali's company very congenial: and as your letter encourages me to believe that mine was not

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com



altogether disagreeable to him. I flatter myself we parted friends.

His personality left such an impression on me that when the news of his death came felt that I slam had lost every valuable living force.

That is all I can say about him from personal knowledge. Mr. Abdul Majid Faithfuly.(24)

محمد علی سے میری شناسائی صرف ایک بار کی گفتگو پر مبنی ہے۔ جو میرے گھر پر ان کے ساتھ ہوئی تھی۔ اس میں ہم نے مارٹن لوتھر کی سرکردگی میں عیسائیت کی تشکیل نو کے خطوط پر اسلام میں کسی تجدید کے امکانات پر غور کیا تھا۔ میرے خیال سے ہم اس پر متفق ہوئے تھے کہ اسلام کو اُن پٹی پٹائی لکیر کے فقیر والے ماحول سے جو پچھلی چند صدیوں سے اسمیں رخنہ انداز ہو چکی ہیں، باہر نکلنے کے لئے واپس محمد ﷺ کے بتائے ہوئے طریقہ پر کاربند ہونا ہوگا۔ میرے خیال سے محمد علی کی صحبت میں میرا وقت خوش گوار گزرا، اور آپ نے یہ کہہ کر میرا من موہ لیا کہ میری صحبت انہیں بھی گوار خاطر رہی۔ میں باور کرتا ہوں کہ ہم نے ایک دوسرے سے بحیثیت دوست اجازت لی۔

ان کی شخصیت سے میں اس قدر متاثر ہوا کہ جب مجھے ان کی وفات کا علم ہوا تو مجھے ایسا لگا کہ ان کی موت سے دنیائے اسلام کے درمیان سے ایک جاں فشاں و جان نثار شخصیت اٹھ گئی ہے۔

اپنی نجی معلومات کی بنا پر بس یہی سب کچھ میں ان کے بارے میں کہہ سکتا ہوں۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com



یہ خط اس حقیقت کا ضامن ہے کہ مولانا محمد علی جوہر کا مقام بین الاقوامی سطح پر ان کے ہم عصروں میں کس قدر بلند تھا۔

مولانا محمد علی ہندوستان کی آزادی اور مسلمانوں کے وقار کے کس قدر متمنی تھے اس کا اندازہ فلسطین کے مفتی اعظم کی مندرجہ ذیل چشم دید شہادت سے کیا جاسکتا ہے:

> محمد علی مؤتمر عالم اسلامی میں شرکت کے لئے حجاز تشریف لے گئے تھے۔ فلسطین کے مفتی اعظم مولانا امین الحسینی صاحب بڑی رات گزرنے کے بعد خانہ کعبہ میں داخل ہوئے تو کیا دیکھتے ہیں کہ ایک شخص رات کے اس سناٹے میں غلاف کعبہ ہاتھ میں تھامے ہوئے سر بسجود ہے اور رورو کر اپنے مولا سے عرض کررہا ہے کہ اے کارساز عالم تو چاہے تو مجھے جہنم میں بھیج دے اور میری کوئی آرزو پوری نہ کر لیکن ایک مرتبہ خلافت راشدہ کا دور دکھادے جسے ان کانوں نے تو سنا ہے مگر جسے دیکھنے سے آنکھیں محروم ہیں۔ میرے مولا میری دوسری تمنا یہ ہے کہ میرے وطن ہندوستان کو غیروں کی غلامی سے آزاد کر کے اسے اپنے پیروں پر کھڑا کردے۔ مفتی صاحب کا بیان ہے کہ جب اس شخص نے سجدے سے سر اٹھایا تو کیا دیکھتا ہوں کہ وہ زعیم مشرق محمد علی ہیں جن کا نورانی چہرہ آنسوؤں سے تر ہے۔(۲۵)

رئیس احمد جعفری نے احسانات کی فہرست میں اہم احسان ''جامعہ ملیہ اسلامیہ'' کو فروگذاشت کردیا جو صدیوں تک اپنا سایہ قائم رکھے گا۔

اپنے آخری خطبہ میں جس کے بعد مولانا نے کوئی خطبہ نہیں دیا انہوں نے فرمایا:

> مذہب زندگی کی ایک تعبیر ہے، میرے پاس ایک تمدن ہے ایک سیاسی نظام ہے، ایک نظریہ زندگی ہے اور اسلام ان سب کا مجموعہ اور امتزاج

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com



ہے، جہاں تک احکام خداوندی کے بجالانے کا سوال ہے میں اول بھی مسلمان ہوں، دوئم بھی مسلمان ہوں اور آخر بھی مسلمان ہوں۔ لیکن جہاں ہندوستان کا سوال آتا ہے، جہاں ہندوستان کی آزادی کا سوال آتا ہے، جہاں ہندوستان کی فلاح و بہبود کا سوال آتا ہے، میں اوّل بھی ہندوستانی ہوں، دوئم بھی ہندوستانی ہوں اور آخر بھی ہندوستانی ہوں، ہندوستانی ہونے کے علاوہ اور کچھ نہیں۔ (۲۶)

المیہ یہ ہے کہ چند ذاتی مفادات، علاقائی عصبیتوں، سیاسی مصلحتوں کی وجہ سے واقع نگار مولانا کی صحیح قامت کو قوم کے سامنے لانے سے گریزاں ہیں۔ خود حکومت بھی اس سلسلے میں غیر ذمہ داری اور ناسپاس شناسی کا ثبوت دینے میں پیچھے نہیں۔ چناں چہ مولانا کے ہم عصر پیشواؤں اور ان کے بعد آنے والوں کی برسیاں منانے کے لئے قومی تعطیل ہوتی ہے، سرکاری اور نجی کاروبار بند ہوتے ہیں، ان کی قبور پر چادریں چڑھائی جاتی ہیں اور قرآن خوانیاں ہوتی ہے، ان کی سالگرہ منانے کے لئے جلسے ہوتے ہیں، تقریریں ہوتی ہیں، لیکن کیا وہ سب اس عظمت کو چھو سکتے ہیں جو عظمت مولانا کو قبلہ اوّل کے بغل میں تا ابد آرام کرنے کی نصیب ہوئی ہے۔

مولانا محمد علی کی موت پر علامہ اقبال نے اپنے تاثرات پیش کیے:

گرچہ آن نور نگاہ خاور از خاور گزشت | جلوہ او تا ابد باقی بہ چشم آسیاست

اور مولانا جوہرؔ خود اپنے الفاظ میں لکھتے ہیں:

یہ نظر بندی تو نکلی رد سحر | دیدھائے ہوش اب جا کر کھلے
حق کے عقدے اب کہیں مجھ پر کھلے | اب کہیں ٹوٹا ہے باطل کا طلسم
معرفت کے اب کہیں دفتر کھلے | اب ہوا ہے ماسوا کا پردہ فاش
بال و پر نکلے، قفس کے در کھلے | فیض سے تیرے ہی اے قید فرنگ

آج کی صحافتی دنیا کو مولانا جوہرؔ کے نقش قدم پر چلنا چاہیے تاکہ پاکستان بھی غلامی

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com



کے چنگل سے آزاد ہو۔

جیتے جی تو کچھ نہ دکھلایا مگر مر کے جوہر آپ کے جوہر کھلے

## حواشی وحوالہ جات

۱۔ سیال، ڈاکٹر عمر حیات عاصم، امت مسلمہ کو درپیش مسائل اور مولانا محمد علی جوہر ندوۃ القلم، اردو بازار کراچی، ۲۰۰۸ء، ص ۱۳۔۱۴

۲۔ اردو دائرہ معارف اسلامیہ، دانش گاہ پنجاب لاہور، ۱۹۸۶ء، ج/۱۹، ص/۴۹۶

۳۔ دریا آبادی، عبدالماجد، پاکستان ہسٹاریکل سوسائٹی ہمدرد فاؤنڈیشن، ۱۹۷۸ء، ص/۳۶

۴۔ صدیقی، ثناء الحق، مولانا محمد علی جوہر حیات اور تعلیمی نظریات ایجوکیشنل کانفرنس، ۱۹۹۰ء، ص/۶۶

۵۔ صدیقی، ڈاکٹر ظہیر علی، مولانا محمد علی جوہر حیات اور تعلیمی نظریات، ایجوکیشنل کانفرنس، ۱۹۹۰ء، ص/۸۷

۶۔ القرآن سورہ الضحیٰ، آیت ۴

۷۔ عثمانی، صابر ارشاد، مولانا محمد علی جوہر مقتدرہ قومی زبان اسلام آباد، ۲۰۰۷ء، ص ۹۵

۸۔ دریابادی، عبدالماجد، محمد علی کی ذاتی ڈائری، معارف پریس، ۱۹۵۴ء، ص ۴

۹۔ جعفری، رئیس احمد، سیرت محمد علی، مطبوعہ، ۱۹۵۰ء، ص ۱۹۸

۱۰۔ ایضاً، ۴۳

۱۱۔ مولانا محمد علی صحافی کی حیثیت سے، مجلہ علم وآگہی، کراچی، ص ۱۰۳

۱۲۔ دریابادی، مولانا عبدالماجد، محمد علی کی ذاتی ڈائری، ص ۴

۱۵۔ دریابادی، مولانا عبدالماجد، محمد علی کی ذاتی ڈائری، ص ۴

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com



۱۴۔ جعفری، رئیس احمد، سیرت محمد علی، مطبوعہ، ۱۹۵۰ء، ص ۱۹۸

۱۵۔ ایضاً، ص ۴۳

۱۶۔ جعفری، رئیس احمد، سیرت محمد علی، ص ۱۹

۱۷۔ ہمدرد، ۲۱ر اپریل، ۱۹۲۹ء

۱۸۔ ''ہمدرد'' ۲ر دسمبر ۱۹۲۶ء، سیرت جوہر، ص ۱۷، ۲۶۹، مزید ''محمد علی جوہر، حمیدہ ریاض، ص ۱۴۶، ۱۴۷

۱۹۔ سورہ ہود، آیت ۴۱

۲۰۔ عثمانی، صابر ارشاد، مولانا محمد علی جوہر، ص/ ۱۳۳، بحوالہ ہمدرد ۲۳ فروری ۱۹۲۵ء

۲۱۔ عثمان، صابر ارشد، مولانا محمد علی جوہر حیات و خدمات مقتدرہ قومی زبان، ۲۰۰۷ء، ص/ ۶۴۔۶۵

۲۲۔ دریابادی، عبدالماجد، ذاتی ڈائری کے چند اوراق، ص ۳۷۴، ۳۷۵

۲۳۔ جعفری، رئیس احمد، مطائبات محمد علی، ادارہ اشاعت اردو حیدر آباد دکن، ۱۹۴۴ء، ص ۱۹

۲۴۔ عثمانی، صابر ارشاد، مولانا محمد علی جوہر'' حیات و خدمات، ص/ ۹۳۷۔۹۳۸، بحوالہ P.O. Daryabad Bara Bank India

۲۵۔ حمیدہ ریاض، محمد علی جوہر، مطبوعہ ۱۹۸۸ء، ص ۶۹

۲۶۔ مقالات یوم جوہر، جوہر سیمینار منعقدہ ۷، ۸ر جنوری ۸۳ء میں پڑھے گئے مقالات، مفتی رضا انصاری، مولانا محمد علی اور تحریک خلافت، اتر پردیش اردو اکادمی، لکھنؤ ۱۹۸۳ء، ص ۲۳

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com



# اعجاز القرآن

(عقلی ونقلی دلائل اور اعتراضات کے جوابات)

پروفیسر ڈاکٹر صلاح الدین ثانی

پرنسپل قائد ملت گورنمنٹ ڈگری کالج لیاقت آباد

خصوصیات: ۱۔ اعجاز القرآن کا ارتقاء

۲۔ اعجاز القرآن پر اردو عربی میں لکھی جانے والی کتب کی فہرست

۳۔ اعتراضات اور ان کے جوابات

۴۔ لفظی اور معنوی اعجاز

(زیر طبع)

# برصغیر میں علمائے دیوبند کی قرآنی خدمات

۱۸۶۶ء تا ۱۹۸۸ء

مقالہ پی ایچ ڈی

پروفیسر ڈاکٹر صلاح الدین ثانی

پرنسپل قائد ملت گورنمنٹ ڈگری کالج لیاقت آباد

(زیر طبع)

© rasailojaraid.com